جماعتِ اسلامی

اور

پاکستان

ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ

مؤلف

ابنِ علی اکبر

(ناشرین)

طیب پبلی کیشنز۔ ناظم آباد ملا کراچی ۱۸

جماعتِ اسلامی

اور

پاکستان

ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ

مؤلفہ

ابنِ علی اکبر

(ناشرین)

طیّب پبلی کیشنز - ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

قیمت ۲ روپے

پاکستان میں آئین کے تحت بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پہلی مرتبہ عام انتخابات ہو رہے ہیں۔ ان انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے درمیان مقابلہ ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا نعرہ ہے "اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے، اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اس پارٹی کے سربراہ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۱ء کے نہایت کٹھن دور میں اقتدار سنبھال کر قومی مایوسی دور کی، ڈوبتی ہوئی ملکی کشتی کو کنارے لگایا، متفقہ اسلامی وفاقی جمہوری آئین منظور کرایا۔ جمہوریت بحال کی، ۹۳ ہزار جنگی قیدی چھڑائے، پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ دشمن سے خالی کرایا، اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد کر کے مسلمانوں کے اقتصادی تعاون اور اسلامی سربلندی کی راہ ہموار کی، زرعی، اقتصادی، تعلیمی، صنعتی، سماجی، انتظامی، قانونی اصلاحات نافذ کیں۔ اور آئندہ بھی ملکی سالمیت، ترقی، خوش حالی کا پروگرام پیش کیا۔ اس کے مقابلہ میں مفتی محمود صاحب جمعیت علمائے اسلام نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے لبادے میں ولی خان کی نیپ، جماعت اسلامی، خاکسار تحریک جیسی پارٹیوں نے جو پاکستان کے قیام کی مخالف تھیں اور اسے اب بھی انھوں نے تسلیم نہیں کیا ہے، تحریک استقلال، جمعیت علمائے پاکستان، پاکستان جمہوری پارٹی وغیرہ کے ساتھ مل کر پاکستان قومی اتحاد کے نام سے مخالف انتخابی محاذ بنایا ہے۔ ان پارٹیوں میں جماعت اسلامی ایسی پارٹی ہے جو اسلام کے نام پر مسلمانوں میں فتنہ برپا کر رہی ہے۔ اس کتابچہ میں اسی پارٹی کی اصلیت ظاہر کی گئی ہے۔

مؤلف

کراچی - ۱۲ فروری ۱۹۷۷ء

باہتمام عرفان آزاد سپر آرٹ پریس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک میں اس وقت انتخابی سرگرمیوں کا زور ہے۔ ہر پارٹی عوام کے سامنے پہنچ رہی ہے اور پروگرام پیش کر رہی ہے۔ مگر جماعت اسلامی نے اس انتخابی مہم کے دوران اپنا نصب العین اور پروگرام پیش کرنے میں جس چابک دستی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا شروع کیا ہے اس کی بنا پر ضروری ہو گیا ہے کہ عوام کو اس پارٹی کی حقیقت سے روشناس کیا جائے اور بتایا جائے کہ سچی بات کیا ہے۔

یہ پارٹی نظریہ پاکستان کے تحفظ کی مدعی ہے۔ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی دعویدار ہے۔ جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ ہر سیاسی پارٹی پر تنقید کا اس نے گویا ٹھیکہ لے رکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ:

جماعت اسلامی نظریہ پاکستان کی مخالف رہی۔

مودودی صاحب نے ہر مرحلہ پر قیام پاکستان کی مخالفت اور مزاحمت کی

جماعتی برانڈ کا اسلام وہ ہے جو نعوذ باللہ عصمت انبیاء کا قائل نہیں۔

تحریف دین جس کا کاروبار ہے۔

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ سے اس کی مراد اصل میں فاشی نظام ہے

اور جمہوریت کا اس پارٹی کے اپنے نظام میں کوسوں تک پتہ نہیں ہے
ہم یہ باتیں اس پارٹی کے مفکر، موسس، بانی اور نفس ناطقہ کی تحریروں
تقریروں اور گذشتہ تیس سال کی سیاسی قلابازیوں سے ثابت کریں گے۔

سب سے پہلے نظریۂ پاکستان کا معاملہ لیجیے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ
برصغیر میں مسلمان رہنماؤں کے ذہن و فکر میں بتدریج اس نظریے نے نشوونما پائی
علامہ جمال الدین افغانی سے لیکر سرسید احمد، ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظم تک قومی
رہنماؤں نے غور و فکر کے بعد پاکستان کے قیام کو مسلمانوں کا قومی مقصد قرار دیا۔
اس کی بنیاد یہ تھی کہ برصغیر میں صرف ایک قوم آباد نہیں بلکہ یہ مختلف قوموں کا
گہوارہ ہے۔ ان میں ہندو اور مسلمان دو قومیں نمایاں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔
جن کے مذہبی معتقدات، تاریخ، روایات، معاشرت تہذیب اور ثقافت میں
بنیادی اختلاف اور فرق ہے۔ اور معروف مغربی جمہوریت کے نظام کے
ساتھ ملنے والی آزادی کے معنے یہ ہوں گے کہ برصغیر میں مسلمان قوم ہندو قوم اور اس کی
اکثریت کی غلام ہو جائے۔ اس لئے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مسلمانوں نے برصغیر میں
مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل الگ وطن پاکستان کا مطالبہ کیا اور ۷ سال کی جمہوری
اور آئینی جدوجہد کے ذریعہ یہ پاکستان قائم کر کے دکھایا۔ اب ظاہر بات ہے کہ
نظریہ پاکستان کی وہی تشریح مستند اور صحیح ہو سکتی ہے جو خود قائد اعظم اور دیگر
مسلم رہنماؤں نے پیش کی ہے۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ جس وقت مسلمان اپنی
آزادی اور قیام پاکستان کے لئے جنگ کر رہے تھے تو قائد اعظم محمد علی جناح
کیا کہہ رہے تھے، اور ان پر مودودی صاحب نے کیا تنقید کی تھی اور پھر خود فیصلہ

کیجئے کہ مودودی صاحب نے پاکستان کی حمایت کی تھی یا مخالفت کی تھی۔ اگر مخالفت
کی ہو تو پھر وہ آج کس منہ سے کہتے ہیں کہ انھوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی آخر
جھوٹ بولنا اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنا قرآن کی کس آیت اور کس حدیث کی رو سے
جائز ہے جو وہ یہ کام کر رہے ہیں۔

قائد اعظم نے گاندھی جی کو اگست ۱۹۴۴ء میں ایک خط لکھا تھا جس میں
انھوں نے کہا تھا:۔

"قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی
دیوانی اور فوجداری عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی
غرضیکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے
لیکر روزانہ امور حیات تک روح کی نجات سے لے کر جسم کی
صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض
تک، اخلاق سے لیکر انسداد جرم تک، زندگی میں جزا و سزا
سے لیکر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر ایک فعل قول اور حرکت
پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان
ایک قوم ہیں تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار
کے مطابق کہتا ہوں"۔

اس سے قبل ۱۹۳۹ء میں عید الفطر کے موقع پر بمبئی میں قائد اعظم
نے کہا تھا:۔

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے، ہم

مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور
قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی
دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی "۔

انھوں نے ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کراچی سے خطاب کرتے
ہوئے کہا تھا:۔

" وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان
جسد واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت
کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے امت کی
کشتی محفوظ کر دی گئی ہے، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا
کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے
جائیں گے، ہم میں زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائیگا۔ ایک خدا، ایک
رسول، ایک کتاب، ایک امت "۔

پھر انھوں نے آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس جالندھر
منعقدہ ۱۹۴۳ء صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

" مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا
ہوگا؟ پاکستان کا طرز حکومت متعین کرنے والا میں کون، یہ کام
پاکستان کے رہنے والوں کا ہے، اور میرے خیال میں مسلمانوں کا
طرز حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا "۔

۱۹۴۴ء میں علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا:۔

رہنمائی کے لئے ہمارے پاس اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود
ہے۔ درخشاں کارنامے، تاریخی کامیابیاں اور روایتیں موجود
ہیں۔ اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائے"

ستمبر ۱۹۴۵ء میں مسلمانوں کے نام پیغام عید میں قائد اعظم نے کہا:۔

میرے پچھلی عید کے پیغام کے بعد مسلمانوں میں اپنی ذمہ
داریوں کا احساس بڑھ رہا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی
تعلیمات محض عبادت اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں
بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے
یعنی مذہبی اور معاشرتی، تمدنی، تجارتی، عسکری، عدالتی اور تعزیری
احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے
کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور
وہ اس کو بغور خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی
ہدایت کا بھی باعث ہو"۔

یہ چند اقتباسات قیام پاکستان سے پہلے یعنی پاکستان کے لئے جدوجہد کے دوران
قائداعظم کے افکار کو ظاہر کرتے ہیں۔ آیئے اب ان کے بیانات اور تقریروں کے
چند اقتباسات دیکھیں جن کا تعلق قیام پاکستان کے بعد کے دور سے ہے۔

اسلام کا تصور مملکت پیش کرتے ہوئے قائداعظم نے کراچی میں ۱۵ جولائی
۱۹۴۸ء کو کہا:۔

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیئے کہ

اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا
عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ
کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارے
کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی
اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت
قرآنی احکام و اصول کی حکومت ہے۔"

اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں ۱۵ جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی میں
اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

"میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی "مجلس
تحقیق" بنکاری کے ایسے طریقے کیونکر وضع و اختیار کرتی ہے
جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہوں
مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لئے لاینحل مسائل پیدا
کر دیئے ہیں اور اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ مغرب کو اس تباہی سے
کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے جو کہ مغرب کی وجہ سے دنیا کے سر پر
منڈلا رہی ہے۔ مغربی نظام افراد انسانی کے مابین انصاف کرنے اور بین الاقوامی
میدان میں آویزش اور چپقلش دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔ بلکہ گذشتہ
نصف صدی میں ہونے والی دو عظیم جنگوں کی ذمہ داری سراسر
مغرب پر عائد ہوتی ہے۔ مغربی دنیا صنعتی قابلیت اور مشینوں کی
دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے

بدترین باطنی بحران میں مبتلا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظام
اور نظریہ اختیار کیا تو عوام کی پرسکون خوشحالی حاصل کرنے کے
اپنے نصب العین میں ہمیں کوئی مدد نہ ملے گی۔"

"اپنی تقدیر ہمیں منفرد انداز میں بنانی پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے
سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور
معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش
کر کے گویا ہم مسلمانوں کی حیثیت میں اپنا فرض انجام دیں گے۔ انسانیت
کو سچے اور صحیح امن کا پیغام دیں گے کہ صرف ایسا امن ہی بنی نوع انسان
کو جنگ کی ہولناکی سے بچا سکتا ہے۔ صرف ایسا امن ہی بنی نوع انسان
کی خوشی اور خوشحالی کا امین و محافظ ہو سکتا ہے۔"

پاکستانیوں کے لئے ضابطۂ حیات کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے سبّی میں
۱۴۔ فروری ۱۹۴۸ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا:

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری
اصولوں والے "ضابطہ حیات" پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم مقننؐ
پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت
کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔
اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے
باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کرو۔"
(وامرھم شوریٰ بینھم)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کراچی میں ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کہا:۔

"آج ہم یہاں دنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپؐ کی عزت اور تکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام عظیم شخصیتیں آپ کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین انتہائی خاکسار بندہ ناچیز اتنی عظیم عظیموں کی بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانہ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم مصلح تھے، عظیم راہنما تھے، عظیم واضع قانون تھے، عظیم سیاستدان تھے۔ عظیم حکمران تھے۔"

اسلامیہ کالج پشاور میں ۱۳ جنوری ۴۸ء کو پاکستان کا مقصد بتاتے ہوئے انھوں نے کہا:۔

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

اب ملاحظہ فرمایئے کہ پاکستان کی اور قائداعظم کی مودودی صاحب نے کیسی حمایت یا مخالفت کی:۔

سب سے پہلے قائداعظم اور مسلم لیگی رہنماؤں کے بارے میں مودودی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:۔

"افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے، ان کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہے جیسی دنیا میں دوسری اور قومیں ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس اسلامی سیاست ہے۔ حالانکہ ایسی ادنیٰ درجہ کی سیاست کو اسلامی کہنا اسلام کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی سے کم نہیں۔"

(حوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش جلد سوم صفحہ ۳۷، ۳۸)

مسلمانوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انھوں نے

حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے ۔ نہ باطل کو باطل جان کر
اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر
اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی
تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے ۔"

(حوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش جلد سوم صفحہ ۱۳۰)

انہوں نے پیش گوئی کی کہ مسلمان ہندوؤں کے تسلط سے آزاد ہوئے اور پاکستان
بنا تو اس میں مسلمانوں کی "کافرانہ حکومت" ہوگی، ملاحظہ فرمایئے :۔

" اس کے بعد اس طریقہ کا جائزہ لیجئے جس سے یہ بزعم خود اسلامی
نصب العین تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں۔ ان کی تجویز یہ ہے کہ
پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریزی حکومت یہاں نافذ
کرنا چاہتی ہے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت
قائم ہو جائے ۔ پھر کوشش کی جائے گی کہ یہ قومی حکومت اسلامی
نظام حکومت میں بتدریج تبدیل ہو جائے لیکن یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی
"آزادیٔ ہند" کو مقدم رکھنے والے حضرات کر رہے ہیں۔ ان کی تجویز
پر مجھے جو اعتراضات ہیں بعینہ وہی اعتراضات ان کی تجویز پر بھی
ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں
حاکمیت جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت
رب العالمین کے قیام میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے جیسی مسلم اکثریت
اس مجوزہ پاکستان میں ہے ویسی ہی بلکہ عددی حیثیت سے بہت

زیادہ زبردست اکثریت افغانستان، ایران، عراق، ٹرکی اور
مصر میں موجود ہے اور وہاں اس کو وہ پاکستان حاصل ہے جس کا
یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے ۔ پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار
حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے
یا ہوتی نظر آتی ہے ...... پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر
مسلمان اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو
ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہیہ
قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے در اصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل
ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومت
الٰہیہ رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے ۔"

(حوالہ مسلمان اور موجودہ کشمکش حصہ سوم صفحات ۱۳۰، ۱۳۲)

تحریک پاکستان کے دور میں مودودی صاحب کی ایک اور "مایۂ ناز" تحریر
یہ تھی جس میں انہوں نے فرمایا :۔

" مسلم لیگ، احرار، خاکسار، جمعیت العلما اور آزاد کانفرنس
سب کی اس وقت تک کی تمام کارروائیاں صرف باطل کی طرح محو
کر دینے کے لائق ٹھہرتی ہے نہ ہم قومی اقلیت ہیں نہ آبادی کے فیصد
تناسب پر ہمارے وزن کا انحصار ہے نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی
قومی جھگڑا ہے۔ نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی
ہے نہ ان ریاستوں سے ہمارا کوئی رشتہ جہاں نام نہاد مسلمان

خدا بنے بیٹھے ہیں نہ اقلیت کے تحفظ کی ہمیں ضرورت ہے نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے۔"

(حوالہ: صفحہ ۱۴۷۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک مسلمانوں کا ہندوؤں اور انگریزوں سے کوئی جھگڑا نہ تھا، نہ مسلمانوں کو تحفظ درکار تھا اور نہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں اپنی حکومت مطلوب تھی! غالباً برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخی جدوجہد میں اس نادر اور نایاب تجزیہ کی "سعادت" اب تک مودودی صاحب کے سوا کسی لیڈر کے حصہ میں نہیں آئی۔

انھوں نے پاکستان کے لئے لڑنے والے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ وہ اشاعت اسلام کے راستہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"انھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو اسلام کی دعوت کے قابل نہیں رکھا ہے بلکہ اسلام کی اشاعت کے راستے میں اتنی بڑی رکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ اگر دوسرے مسلمان بھی یہ کام کرنا چاہیں تو غیر مسلموں کے دلوں کو اسلام کے لئے مقفل پائیں گے۔"

(حوالہ: مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۲۸)

عام مسلمانوں کے بارے میں مودودی صاحب نے کیا کیا گل افشانیاں فرمائیں انہیں ذلیل بندر، کتوں کی طرح لپکنے والے منافقین، اسلام کے دائرہ سے عقیدتاً اور عملاً خارج، کانگریس کی طرف کھنچنے والے، انگریز کی گود میں جانے والے، حیرت سے منہ تکنے والے تک کہا ہے۔ اپنے کس منصب کی رُو سے یہ سب کچھ انھوں نے کہا اسے وہ

خود ہی بہتر سمجھتے ہوں گے مگر یہ طریق تخاطب نہ کسی مفکر اسلام نے کبھی اختیار کیا، نہ کسی مصلح نے گفتار کا یہ انداز اپنایا، اور نہ کوئی عالم دین جسے قرآن و سنت پر عبور ہو یہ اسلوب بیان اختیار کرے گا۔ بہرحال اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

"مسلمانوں میں سے جو لوگ اس انقلاب کے دامن سے وابستہ ہیں ان کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی صورتیں ان کے لباس ان کی بات چیت، ان کی چال ڈھال، ان کے آداب و اطوار ان کے خیالات سب کچھ ہمارے سامنے اس مسلمان کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جو اس آنے والے انقلاب میں پیدا ہوگا ہم ابھی سے دیکھ رہے ہیں کہ مسٹروں کے بجائے مسٹری یت اور مسوں کے بجائے مسٹری متیاں ہمارے ہاں پیدا ہونے لگی ہیں۔ گڈ مارننگ کی جگہ ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا جانے لگا ہے۔ ہیٹ کی جگہ گاندھی کیپ لے رہی ہے اور بعض علماء دین فتوے دے رہے ہیں کہ یہ تشبہ کی تعریف سے خارج ہے۔ غرضیکہ دماغ اور دل اور جسم سب اپنا رنگ بدل رہے ہیں اور کونوا قردۃً خاسئین (ہو جاؤ ذلیل بندر) کی لعنت جو ان پر ستر سال پہلے نازل ہوئی اب ایک دوسری شکل اختیار کر رہی ہے۔"

(حوالہ: تحریک آزادی ہند اور مسلمان صفحہ ۵۳)

"ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام نمود کے چند کھلونے پھینکے یہ کتوں کی طرح ان کی طرف

بکتے ہیں اور ان کے معاوضے میں اپنے دین وایمان، اپنے ضمیر اپنی
غیرت و شرافت اپنی قوم و ملت کے خلاف کوئی خدمت بجالانے
میں ان کو باک نہیں ہوتا۔"

(حوالہ: تحریک آزادی ہند اور مسلمان صفحہ ۵۷)

"ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے
اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بکثرت اشخاص تعلیم یافتہ
صاحب قلم، صاحب زباں، صاحب مال و زر، صاحب اثر اشخاص
ایسے ہیں جو دل سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے
مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک
ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدتاً اور عملاً نکل چکے ہیں۔"

(حوالہ: تحریک آزادی ہند اور مسلمان صفحہ ۵۸)

"مسلمانوں میں زیادہ تر تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ
آزادی وطن کے لئے بے چین ہے اور کانگریس کی طرف کھینچ
رہا ہے یا کھینچ گیا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنی قومی تہذیب اور اپنے
قومی حقوق کی حفاظت کے لئے انگریز کی گود میں جاتا چاہتا ہے
اور آئندہ انقلاب کے خطرات سے بچنے کی یہی صورت مناسب
سمجھتا ہے کہ سرکار برطانیہ کا معاون بن کر آزادی کی تحریک کو روکے تیسرا
گروہ، عالم حیرت میں کھڑا ہے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی
رفتار دیکھ رہا ہے۔" (حوالہ: تحریک آزادی ہند اور مسلمان صفحہ ۶۵)

لگے ہاتھوں ایک اقتباس اور ملاحظہ فرمائیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی
صاحب نے اسلام کو سمجھنے کے جملہ حقوق محض اپنے لئے محفوظ سمجھ لئے ہیں۔ ان کے
علاوہ کوئی بھی اسلام کو نہیں سمجھتا۔ وہ کہتے ہیں:۔

"اس دور میں جو حضرات اسلام کے نمائندے اور مسلمانوں
کے قائد و رہنما بنے ہوئے ہیں وہ جزئیات شرع پر چاہے کتنا ہی
عبور رکھتے ہوں بہرحال اسلامی تحریک کے مزاج کو وہ نہیں سمجھتے
اور نہیں جانتے کہ اس تحریک کو چلانے اور آگے بڑھانے کا طریقہ
کیا ہے۔"

(حوالہ: صفحہ ۱۳۱ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

مسلم لیگ کے بارے میں ان کی مخالفت ملاحظہ فرمائیے:۔

"آپ کی سب سے بڑی قومی مجلس مسلم لیگ جس کو نو کروڑ
مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ ہے ذرا اس کو دیکھئے کہ اس
وقت وہ کس روش پر چل رہی ہے۔ موجودہ جنگ کے آغاز
میں اس نے اپنی جس پالیسی کا اعلان کیا اور پھر وائسرائے کے
اعلان پر جس رائے کا اظہار کیا اس کو پڑھئے، بار بار پڑھئے۔ اگر
آپ ایک اصول پرست جماعت کے طرز عمل اور ایک ایسی
جماعت کے طرز عمل میں جو محض اپنی سیاسی اغراض کی خدمت
کے لئے ہر فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اول نظر

میں آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ جنگ کے موقع پر جو پالیسی لیگ
نے اختیار کی ہے وہ اصول پرستی کے ہر نشان سے خالی ہے۔"

(صفحہ ۳۵-۳۶ مسلمان اور موجودہ
سیاسی کشمکش۔ حصہ سوم)

پاکستان اور ناپاکستان کی بحث دیکھئے:-

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں
بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد
ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے میرے نزدیک جو سوال
سب سے اقدم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اس "پاکستان" میں
نظامِ حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت پر رکھی جائے گی یا مغربی
نظریۂ جمہوریت کے مطابق عوام کی حاکمیت پر۔ اگر پہلی صورت ہے
تو یقیناً یہ "پاکستان" ہوگا ورنہ بصورتِ دیگر یہ ویسا ہی "ناپاکستان"
ہوگا جیسا ملک کا وہ حصہ ہوگا جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم
حکومت کریں گے بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک اس سے
زیادہ مبغوض وملعون ہوگا کیونکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے
وہ کرم کریں گے جو غیر مسلم کرتے ہیں۔

(حوالہ۔ صفحہ ۹۳۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش)

تقسیم ملک کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:-

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی
بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک رہے یا دس
ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔ تمام روئے زمین ایک ملک ہے۔
انسان نے اس کو ہزاروں حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ اب
تک کی تقسیم اگر جائز تھی تو آئندہ مزید تقسیم ہو جائے گی تو کیا
بگڑ جائے گا۔"

(حوالہ صفحہ ۹۴ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ کل تک جو بات ایک مسلمان کی حیثیت سے انہوں
نے ہندوستان کے بارے میں کہی تھی آئندہ پاکستان کے بارے میں نہیں کہیں گے۔

تحریک پاکستان کے ایام میں کام کرنے والی مسلم جماعتوں کے علمائے کرام اور
لیڈروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:-

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام
کے نام کو استعمال کر رہی ہیں اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان
کے نظریات مقاصد اور کارناموں کو رکھا جائے تو سب کی سب جنس
کاسد نکلیں گی خواہ مغربی تعلیم وتربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں
یا علمائے دین ومفتیان شرع متین۔ دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریہ
اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں دونوں راہِ حق سے

ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔"

(حوالہ صفحہ ۹۵ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

مزید آگے چلئے اور دیکھئے کہ مسلمانوں کے قومی مطالبات کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا:۔

"یہ تعداد کی بناء پر قومی حکومت کے مطالبے پر اکثریت و اقلیت کے نوحے، یہ تحفظات اور حقوق کی چیخ و پکار، یہ انگریزی سلطنت اور والیانِ ریاست کے ظلِ عاطفت میں قومی مفاد کے تحفظ کی تدبیریں۔ دوسری طرف یہ آزادیٔ وطن کے نعرے اور پنڈت نہرو کے سروں میں امپیریلزم کی مخالفت، یہ سب ہمارے لئے بکری کی بولیاں ہیں۔"

(حوالہ صفحہ ۹۹ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

قومی اغراض اور مطالبوں کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد کے بارے میں انہوں نے کہا:۔

"میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لئے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لئے لڑتے رہے مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور اعتقادی خودکشی ہے۔"

(حوالہ روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صفحہ ۱۲۹ اجتماع مدراس)

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور ان کی جوش و خروش کیساتھ جدوجہد میں شرکت سے مسلمانوں کی منزل مقصود بہت جلد نزدیک آگئی چنانچہ ان کی خدمات کے صلہ میں مودودی صاحب نے جو سرٹیفیکیٹ عطا کیا وہ ملاحظہ ہو:۔

"سب سے پہلے مسلمانوں کے معاملہ کو لیجئے۔ ہندو اکثریت کے علاقے میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کر لیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویّہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لاکر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔" (روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صفحہ ۱۴۴۔ اجتماع مدراس)

۴۶-۱۹۴۵ء میں برصغیر میں عام انتخابات ہوئے جن میں مسلمانوں نے حق رائے دہی کے استعمال سے اپنا مقصد واضح کیا۔ یہ انتخابات مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے تمام جماعتوں نے اس میں حصہ لیا۔ مطالبہ پاکستان سے اختلاف کرنے والی مسلم جماعتوں نے امیدوار کھڑے کئے۔ مسلم لیگ نے بڑھ چڑھ کر یہ جنگ لڑی اور فتح حاصل کی۔ مگر مودودی صاحب کی جماعت اسلامی نے ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ شاید وہ اس بائیکاٹ کو ہی پاکستان کی حمایت سمجھ رہے ہوں لیکن کوئی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا اس بائیکاٹ کو پاکستان کی حمایت سے

تعبیر نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں پہلے تو وہ ایک خط ملاحظہ فرمایئے جو اس زمانہ میں ایک دردمند مسلمان نے لکھا تھا اور پھر مودودی صاحب کا جواب دیکھئے اور یہ سوچئے کہ یہ نظریہ پاکستان کی تائید یا قیام پاکستان کی حمایت تھی یا دونوں کی مخالفت۔

"بخدمت حضرت المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ میں نے آپ کے رسالے کا خوب مطالعہ کیا ہے۔ میری ایک برادرانہ گذارش ہے وہ یہ کہ آپ نے جو دارالسلام پنجاب میں بنایا ہے یہ غلط ہے اور جو آپ نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا ہے یہ بھی غلط ہے۔

اگر آپ دارالسلام کے عاشق ہیں تو آپ کو دنیا کے اندر جو اس وقت دارالسلام کہلاتے ہیں وہاں جا کر انہیں صحیح معنوں میں دارالسلام بنانا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی اصلاح جلدی ہو جائے گی۔ مثلاً سعودی عربیہ مصر، افغانستان اور ترکستان وغیرہ یعنی جہاں ظاہرا طور پر مسلمان حکمران ہیں انہیں پہلے دارالسّلام بنایئے پھر دارالکفر کی طرف متوجہ ہوجئے۔ پہلے مسلمان سلطنتوں کو ٹھیک کیجیئے بعد میں غیر مسلم ملکوں میں دارالسلام کے بنانے کا دماغ میں خیال لایئے۔ ان کی اصلاح بہ نسبت اس ملک کے جلدی ہوسکتی ہے۔ ان کے دماغ آزادی کے الفاظ سے آشنا ہیں۔ ان

ممالک میں تو ابھی صحیح اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تو آپ ایسے ملک میں اسلامی حکومت کیسے قائم کر سکتے ہیں جس کا نظام سرے سے ہی باطل ہے۔

آپ فرمائیں گے ان ممالک میں جانا مشکل ہے اگر وہاں جانا مشکل ہے تو ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی ریاستیں ہیں۔ ان میں اس تحریک کو چلایئے مثلاً نظام اسٹیٹ، بہاول پور، چترال وغیرہ۔

آپ نے جو انتخابات کا بائیکاٹ کیا ہے یہ بھی غلط ہے یہ اجتہاد آپ کا لغویت پر مبنی ہے۔ آپ کے اس اجتہاد کے خلاف مولانا حسین احمد صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب، حضرت مولانا امام الہند ابو الکلام صاحب آزاد۔ مظہر علی صاحب اظہر۔ حضرت مولانا سیّد محمد داؤد صاحب غزنوی۔ مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ صاحب بخاری۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا غلام مرشد صاحب، مولانا محمد بخش صاحب مسلم، علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی، مولانا شبّیر احمد صاحب عثمانی، مولانا مسلم صاحب عثمانی، مولانا احمد علی صاحب جیسے مقتدر علماء کرام اور صوفیائے عظام ہیں۔ عام اس سے کہ وہ کانگرسی ہوں یا احراری یا لیگی۔ بہرکیف انہوں نے انتخابات

کا بائیکاٹ نہیں کیا بلکہ اس میں حصّہ لیا اور ترغیب دی تو کیا آپ
کے نزدیک یہ تمام حضرات حرام کے مرتکب ہوئے ہیں۔

میری اس عرضداشت کو ضد یا تعصب ہرگز نہ سمجھیں
واللہ العظیم میں سچ عرض کرتا ہوں ضد نہیں، پارٹی بازی نہیں
صرف آپ کے رسالے کا مضمون پڑھ کر میرے دماغ میں یہ بات
آئی کہ آپ نے تمام بزرگانِ دین کو مرتکب حرام ایک دم قرار
دے دیا مگر تعجب ہے کہ آپ کا دستِ اقدس شل نہیں ہوا۔

والسّلام

جواب :۔

محترمی ومکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہر آدمی کے لئے اس کا فرض
اسی سرزمین پر عائد ہوتا ہے جہاں وہ پیدا ہوا ہو اور قیام رکھتا
ہو اور دوسری جگہ اس کا جانا اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے
جبکہ وہ اپنی پیدائشی سرزمین میں اپنا فرض ادا نہ کرسکتا ہو اس
کے علاوہ ہر آدمی کے لئے فطری طور پہ میدان عمل ہوتا ہی اسکا وطن ہے
جہاں کی زبان، عادات، خصائل سب سے وہ پوری طرح واقف ہوتا
ہے۔ اب اگر یہ زمین سنگلاخ ہو تو اسے کوشش کرکے دیکھ لینا

چاہیئے کہ وہاں کوئی بیج جڑ پکڑ سکتا ہے یا نہیں۔ کوشش کے
بعد مایوسی ہوجائے تو دوسری مناسب سرزمین تلاش کرنا
درست ہے۔

انتخاب کے متعلق آپ نے جو بات تحریر فرمائی ہے آپ
اس کے سوا کچھ اور فرما بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ آپ کے لئے یہ
معلوم کرنے کا کہ اسلام کی اصولی تعلیمات کیا ہیں اور ان اصولی
تعلیمات کا ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل سے کیا تعلق ہے
اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ آپ بڑے بڑے علماء کی
طرف دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں لیکن اسے میری بدقسمتی
سمجھئے یا خوش قسمتی کہ میں اپنا دین معلوم کرنے کے لئے چھوٹے
یا بڑے علماء کی طرف دیکھنے کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ خود خدا کی
کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ
دین کے اصول کیا ہیں اور یہ بھی تحقیق کرسکتا ہوں کہ اس ملک
میں جو لوگ دین کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں وہ کسی خاص مسئلہ
میں صحیح مسلک اختیار کر رہے ہیں یا غلط اس لئے میں اپنی
جگہ مجبور ہوں کہ جو کچھ قرآن وسنت سے حق پاؤں اسے حق
سمجھوں بھی اور اس کا اظہار بھی کردوں۔ آپ جو حق کو جاننے
کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں، آپ کے لئے یہ تو کسی نہ کسی

طرح درست ہو بھی سکتا ہے کہ جن علماء کو آپ معیارِ حق سمجھتے
ہیں ان کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلیں لیکن آپ کے لئے یہ
آخر کس طرح درست ہوگیا کہ جو اپنی آنکھوں سے راستہ دیکھنے
کی قوت رکھتا ہے۔ اس سے بھی آپ یہ مطالبہ کریں کہ کسی دستگیر
کا محتاج یا نابینا بن کر چلے یا اپنی بینائی کو آپ کی خاطر جھٹلائے۔

ظاہر ہے کہ ہر وہ چیز جو مسلمان قوم کے لئے فائدہ مند ہو،
ضروری نہیں کہ اسلام کے لئے بھی فائدہ مند ہو۔ کیونکہ قومیت اور
اسلام دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے الگ ہیں اور
ان کے مفاد کا بہت سے معاملات میں تضاد اور ٹکراؤ ہو سکتا
ہے اور ہو رہا ہے لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بڑی غلط
فہمی یہ بھی ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے فائدے کی ہو اور فائدے
سے مراد ان کے نزدیک مادی فائدہ ہے) وہ لازماً اسلام اور
نیکی کا کام بھی ہے اور افسوس ہے کہ یہ سبق بھی حضرات علماء کا
دیا ہوا ہے جنہوں نے اسلام اور مسلم قومیت کو باہم متبادل بنا
دیا ہے لیکن جماعت اسلامی کا لٹریچر پھیلنے سے اب حالات
آہستہ آہستہ بدل رہے ہیں اور سنجیدہ اور سمجھ دار لوگ اپنے لیڈروں
اور رہنماؤں پر تنقیدی نگاہ ڈالنے لگے ہیں اور ان کو یہ محسوس
ہونے لگا ہے کہ آخر وہ کس قسم کی اسلامی حکومت اور کون سا

اسلامی نظام ہوگا جسے وہ سنّی و شیعہ۔ مسلم و ملحد اشتراکی و سرمایہ
دار، مُلّا و بابو اور خدا اور رسولؐ کے شیدائی اور ان کا مذاق اڑانے
والے سب ایک فوج بن کر قائم کرنے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ جوں
جوں یہ لوگ "قومیت" کی بنیاد پر اپنی اسلامی حکومت کی عمارت
کو اوپر اٹھائیں گے۔ اس کی کجی، ٹیڑھا پن اور اس کی اسلام سے
دوری نمایاں تر ہوتی چلی جائے گی حتّٰی کہ منزل پر پہنچ جانے پر
ان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ تو اسلام سے اور بھی دور نکل گئے
اِلّا آنکہ ان کے ساتھی علماء اس وقت اسے بھی کتاب و سنّت
کی سند عطا فرما دیں۔ ضرورت ہے کہ واقعات کی روشنی میں ان کی
"اسلامی حکومت" کی حقیقت اور خط و خال کو اجاگر کیا جائے
تاکہ کم سے کم ان میں وہ گروہ جو غلط فہمی سے اس رو میں بہہ رہا
ہے راہِ راست پر آجائے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ گروہ
کی دینی حس نسبتاً بہت جلد بیدار ہو جاتی ہے اور جس چیز کو یہ لوگ
سوچ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں پھر اسکے لئے ہر قسم کی قربانی بھی کر گزرتے
ہیں۔ ان لوگوں میں ہمارا لٹریچر تیزی سے پھیل رہا ہے اور ایک
کثیر تعداد میں یہ لوگ متاثر بھی ہو رہے ہیں اور ان کی سمجھ میں یہ بات
آرہی ہے کہ موجودہ تمام تحریکیں وطنیّت یا قومیت کے نظریہ پر قائم
ہیں۔ اور وہ سرتا پا مغربی جمہوری اصولوں پر ارتقاء کر رہی ہیں اور

ان کا نتیجہ وطنی یا قومی نقطۂ نظر سے خواہ کتنا ہی مفید ہو۔ بہر حال اسلام سے ان کو کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ نظامِ اسلامی پر منتج ہو سکتی ہیں۔" (حوالہ روداد جماعت اسلامی حصہ چہارم صفحہ ۶۹ تا صفحہ ۷۶)

تحریک پاکستان کے بارے میں مودودی صاحب کی یہ تحریر صاف واضح کر رہی ہے کہ قائداعظم کے واضح اعلانات کے باوجود وہ یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ پاکستان کا قیام اسلامی نظام رائج کرنے کا وسیلہ ہو گا۔

پھر اس پر بھی بس نہیں کی گئی بلکہ جن دردمند مسلمانوں نے اس الیکشن میں حصہ لیا اور اتفاق سے وہ جماعت کے رکن بھی تھے ان کے خلاف ضابطے کی کارروائی کی گئی اور جماعت سے خارج کر دیا گیا اور جماعت اسلامی کی سالانہ روداد حصہ پنجم میں کہا گیا۔

"۲:- ارکان کو اس لئے علیحدہ کر دیا گیا کہ مسلمانوں کی قومی جدوجہد کے بارے میں انہوں نے جماعتی پالیسی کی پابندی نہیں کی اور انتخابات میں حصہ لیا۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صفحہ ۳۵ اجتماع ٹونک)

اسی طرح جماعت اسلامی کی روداد حصہ چہارم میں یہ طنز کیا گیا۔

"دو تین حضرات کو الیکشن کے زمانہ میں قومی درد نے جماعت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ چہارم صفحہ ۴۷)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ان احساسات کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ جن کے تحت انہوں نے ۴۵، ۱۹۴۶ء کے انتخاب لڑے تھے۔

قائدِ ملت لیاقت علی خان کہتے ہیں :-

"حالیہ انتخابات سنہ ۴۵، ۱۹۴۶ء نے دنیا پر روشن کر دیا کہ ہندوستان کا مسلمان ایک منظم قوم کی حیثیت سے ایک واضح نصب العین تک پہنچنے کے لئے پورے عزم و استقلال کے ساتھ آمادہ ہو چکا ہے انتخابات کے نتائج نے نہ صرف مسلم لیگ کی واحد سیاسی نمائندگی کا دعویٰ مکمل طور پر ثابت کر دکھایا بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ ہماری بے سرو سامانی اور اقتصادی زبوں حالی مسلمان جیسی بیدار و خوددار قوم کے عزم آزادی اور سربلندی کو متزلزل نہیں کر سکتی بلکہ ہندوستان کا مسلمان مدتوں کی غلامی کے بعد بھی اتنی توانائی رکھتا ہے کہ ایک صحیح الفکر قائد کی رہنمائی میں صدیوں کی منزل برسوں میں طے کر لے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مسلم لیگ نے حالیہ انتخابات کے موقع پر کوئی بینی فسٹو نہیں شائع کیا۔ وہ صرف دو تنقیحات پر الیکشن لڑی۔ اوّل یہ کہ مسلمانان ہند اس برکوچک کی دیگر اقوام سے مختلف و ممتاز ایک مستقل بالذات قوم ہیں جو دوسری قوم کے ساتھ مدغم ہو کر اپنا ملی تشخص کسی قیمت پر ضائع کرنے کو تیار نہیں۔ دوسرے یہ کہ پاکستان جملہ مسلمانان ہند کا متفقہ مطالبہ ہے اور وہ اس کو اپنی سیاسی نجات

اور سربلندی کا واحد، منصفانہ اور معقول ذریعہ تصور کرتے ہیں چنانچہ مرکزی و صوبائی ہر دو انتخابات میں مسلمانوں نے پورے استقلال کے ساتھ اغیار کی تمام تحریص و تخویف اور ریشہ دوانی و انتشار آفرینی کا مقابلہ کیا۔ نہ ارباب اقتدار کی چیرہ دستیاں انہیں اظہار حق سے روک سکیں اور نہ ساہوکاروں کی تھیلیاں ان کے ایمان کو خرید سکیں۔ انتخابات کا جو نتیجہ ہوا ہے اسے دیکھ کر دنیا ششدر رہ گئی۔ اپنی جدوجہد کی تاریخ میں دُنیا کی کوئی سیاسی جماعت ایسی شاندار کامیابی کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

(حوالہ: تاریخی فیصلہ۔ مولفہ عبدالواحد قریشی صفحہ ۸)

مودودی صاحب اور ان کی پارٹی کے رویّہ کو سامنے رکھ کر مذکورہ اقتباسات پڑھیئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ آیا وہ اور انکی پارٹی سواد اعظم سے الگ بلکہ اس کی مخالف تھی یا نہیں۔

یہ سب باتیں قیام پاکستان سے پہلے کی تھیں۔ بہر حال مودودی صاحب کی شدید مخالفت اور مزاحمت کے باوجود قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کے پرچم تلے مسلمانوں نے پاکستان قائم کر دیا۔

اس مرحلہ پر سب نے ہی اسے تسلیم کیا۔ حد یہ ہے کہ قوم پرست اور کانگریسی مسلمانوں نے بھی پاکستان کی جنگ میں اپنی شکست تسلیم کر لی۔ خود مولانا آزادؒ نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں کانگریسی مسلم رہنماؤں سے کہا کہ وہ پاکستان کی مخالفت اب ترک کر دیں۔ پاکستان

اب مسلمانوں کا ملک ہے۔ اس کی بقا پر ان کی ملّی آبرو کا دار و مدار ہے۔

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور کی احرار کانفرنس میں اعلان کیا کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کر کے غلطی کی تھی اب ہم اس کی بقاء اور تحفّظ کے لئے قربانیاں دے کر اس کی تلافی کریں گے۔

مگر مودودی صاحب چونکہ نظریاتی انسان ہیں شاید اسی لئے انہوں نے پاکستان کو نہیں مانا۔ اس کی حکومت کو کافرانہ حکومت ہی قرار دیتے رہے۔ جماعت اسلامی کے اس آئین میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی جس کے تحت اس کے ارکان کے لئے کافرانہ حکومت کی ملازمت حرام تھی!

چنانچہ قیام پاکستان کے بعد جون ۱۹۴۸ء کے رسالہ ترجمان القرآن کے صفحہ نمبر ۱۲۵، ۱۲۶ میں مودودی صاحب نے گزشتہ دس سالہ سیاسی تاریخ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مسلم لیگ اور اس کی قیادت کے بارے میں لکھا:۔

" دس سال سے مسلمانوں کی قیادتِ عظمیٰ جس لائحہ عمل پر چل رہی تھی وہ سلطان عبدالحمید خان کی سیاست سے ملتا جلتا تھا۔ وہ ۳۳ سال تک محض دول یورپ کی باہمی رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر جیتے رہے اور اس دوران میں خود ٹرکی کی کوئی طاقت انہوں نے نہ بنائی جس کے بل بوتے پر وہ جی سکتا۔ اس طرح اس قیادت کا بھی سارا سیاسی کھیل بس انگریز اور کانگریس کی کشمکش سے فائدہ اٹھانے تک محدود تھا پورے دس سال میں اس نے خود اپنی قوم کی اخلاقی

مادی اور تنظیمی طاقت بنانے اور اس کے اندر قابل اعتماد سیرت پیدا
کرنے کی کوشش نہ کی جس کی بنا پر وہ اپنے کسی مطالبہ کو خود اپنی طاقت
سے منوا سکتی۔ اِس کا نتیجہ تھا کہ جونہی انگریز اور کانگریس کی باہمی
کشمکش ختم ہوئی۔ اس قیادتِ عظمیٰ نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں
پایا کہ جیسے اس کے پاؤں تلے زمین نہ ہو۔ اب وہ مجبور ہوگئی کہ جو
کچھ جن شرائط پر ملے اسے غنیمت سمجھ کر قبول کرلے۔ بنگال و پنجاب کی
تقسیم اسے بلاچون وچرا ماننی پڑی۔ سرحدوں کے تعین جیسے نازک
مسئلے کو اس نے صرف ایک شخص کے فیصلے پر چھوڑ دیا۔ انتقال
اختیارات کے لئے جو وقت اور جو طریقہ تجویز کیا گیا اسے بھی اس نے
بلاتامل مان لیا۔ حالانکہ یہ تینوں امور صریح طور پر مسلمانوں کے حق
میں مہلک تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک کروڑ مسلمانوں پر تباہی نازل ہوئی
اور انہی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت اوّل روز سے ہی متزلزل بنیادوں
پر اٹھی"۔

اس تحریر کے آغاز میں مودودی صاحب نے قائد اعظم کے بارے میں جو کچھ
لکھا ہے وہ فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے قائد اعظم کا یہ قصور معاف نہیں کیا کہ انہوں
نے پاکستان کیوں بنایا۔ قائد اعظم کو تحریک پاکستان کے "ڈرامہ" کا "اداکار" قرار دیتے ہوئے
انہوں نے لکھا:۔

"اس اداکار کا یہ پارٹ اس ڈرامے میں سب سے زیادہ

ناکام ہے"۔

ہم ہر شخص کی آزادی رائے کے حق کو تسلیم کرتے ہیں لیکن کیا آزادی رائے آزادی
اظہار اور آزادی افکار کا یہی صحیح استعمال ہے کہ تحریک پاکستان کو "ڈرامہ" کہا
جائے۔ اس تحریک کے سربراہ کو "اداکار" کے نام سے یاد کیا جائے اور پھر اسے "ناکامی"
کا سرٹیفکیٹ دیا جائے۔ تمام پاکستانی عوام مودودی صاحب اور ان کی پارٹی سے یہ پوچھنے
کا حق رکھتے ہیں کہ کیا یہ باتیں انہوں نے پاکستان اور قائد اعظم کی محبت میں تحریر کی ہیں
اور اگر یہ محبت ہے تو پھر عداوت کس کو کہا جائے گا۔

پھر قائد اعظم کی وفات سے چند ماہ پیشتر جولائی ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن
کے صفحہ نمبر ۱۳۱ پر مودودی صاحب نے تحریک پاکستان پر دوبارہ اظہار خیال
کیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

"یہ تحریک (تحریک پاکستان) ایک قومی تحریک تھی اس میں وہ سب
لوگ شریک ہوئے جو نام و نسب کے اعتبار سے مسلم قوم کے افراد تھے
یہ سوال اس میں سرے سے بے محل تھا کہ جو اس میں شریک ہوتا ہے
وہ خدا، رسول، آخرت، وحی، کتاب اور دین و شریعت کو مانتا ہے یا
نہیں اور فجور و تقویٰ دین داری اور بے دینی کی مختلف صفات میں
کس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ اصل مسئلہ قوم کو بچانے کا تھا۔
اور اس کے لئے قوم کے تمام عناصر کا متحدہ محاذ بننا ضروری تھا۔ پھر
جو کام پیشِ نظر تھا وہ بھی فتویٰ اور امامت کا نہ تھا کہ دین و اعتقاد
اور حرام و حلال کی تمیز کا قائل ہونے کے تجسس کی ضرورت پیش آتی"۔

اور آخر میں فیصلہ دیا کہ :-

"مقصود صرف قومی مدافعت تھی اور اس کے لئے تحریک کی
شرکت تو درکنار اس کی قیادت اور راہنمائی کے معاملہ میں
بھی یہ دیکھنے حاجت نہ تھی کہ جن لوگوں کو ہم آگے لا رہے ہیں
ان کا اسلام سے کیسا اور کتنا تعلق ہے۔"

اب پاکستانی عوام خود سوچیں کہ کیا یہ خیالات قیام پاکستان کے بعد بھی
تحریک پاکستان کی حمایت ظاہر کرتے ہیں یا اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ مودودی صاحب
اس تحریک کو زیادہ سے زیادہ قومی مدافعت کی تحریک قرار دیکر اس نصب العین کی نفی کرنا چاہتے
ہیں جس کے لئے برصغیر کے مسلمانوں نے جدوجہد کی. کیا ان کی یہ توضیح تحریک پاکستان کے
ساتھ سنگین مذاق نہیں ہے۔

مودودی صاحب اور ان کی پارٹی کے لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ ان کے خلاف
اگر کوئی الزام ہو تو وہ عدالت میں جواب دہی کے لئے تیار ہیں اور اس کا فیصلہ مان
لیں گے۔ اتفاق سے اپریل ۵۴ء میں تحقیقاتی عدالت عالیہ کی بنچ نے جو مسٹر جسٹس
محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل تھی جو فیصلہ دیا تھا اس کا اقتباس یہ ہے۔

"جماعت مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان
مخالف تھی، اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے اس کو
ناپاکستان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت موجودہ نظام
حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے
ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں

ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبہ پاکستان کی
حمایت کا بعید سا اشارہ ہو۔ اس کے برعکس یہ تحریریں
جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس
شکل کی مخالفت ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور
جس میں اب تک موجود ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۶۱)

ہمارے خیال میں تو عدالت کے اس فیصلے کے بعد جماعت اور اس کے
سربراہ کے لئے اس مسئلہ پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ تاہم
دنیا میں ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں!

اب ذرا حکومت پاکستان کی مخالفت اور اس کے استدلال کو ملاحظہ فرمایئے۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں حکومت پاکستان (مغربی پنجاب) نے فیصلہ
کیا کہ اپنے ملازمین سے پاکستان کی وفاداری کا حلف لیا جائے مگر
مودودی صاحب نے اپنی جماعت کے "ارکان" کو حکم دیا کہ "وہ حلف نہ
اٹھائیں بلکہ انکار کر دیں کیونکہ اس حلف سے اس نظام حکومت سے وفاداری
کی قسم کھانی پڑتی ہے جو از روئے قانون قائم ہے اس لئے یہ حلف اس
وقت تک ناجائز ہے جب تک یہ نظام حکومت پورے طور پر اسلامی
نہ ہو جائے۔" (حوالہ ترجمان القرآن جون سنہ ۱۹۴۸ء)

اور پھر ملاحظہ فرمایئے میاں طفیل محمد کی طرف سے جماعت اسلامی کی مجلس
شوریٰ کا فیصلہ کا اعلان جسے نوائے وقت نے مورخہ ۱۳ اکتوبر ۴۸ء کے شمارہ میں

شائع کیا وہ یہ تھا:۔

"موجودہ حکومتِ پاکستان غیر اسلامی ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو فوج یا ریزرو دستوں میں بھرتی ہونے کے لئے مشورہ نہیں دے سکتے"۔

گویا مودودی صاحب کے نزدیک تحریک پاکستان غلط تھی۔ قیام پاکستان غلط تھا اور اس کی حکومت غیر اسلامی تھی۔ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان کے حامی یا اس کے بنانے میں شریک تھے؟

مودودی صاحب کی یہ باتیں ظاہر ہیں کہ پاکستان جیسے ملک میں ناقابل برداشت تھیں۔ چنانچہ اس بیان پر سخت لے دے ہوئی۔ مگر مودودی صاحب کی پارٹی کی طرف سے اپنے موقف پر پینترا بدلنے کے ساتھ اصرار جاری رہا۔ قائمقام امیر نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ملاحظہ فرمائیے۔

"ارکان جماعت کے لئے ہماری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی توجہات کو اصلاً اقامت دین کی جد و جہد پر مرتکز رہتے ہوئے دفاع کے مختلف کاموں کی تربیت حاصل کرنے میں پورا پورا حصہ لیں۔ عملاً دفاع کی ضرورت پیش آجانے پر ارکان کو بھی بہر حال فوج کے اندر شامل ہو کر ہی فرض ادا کرنا ہوگا۔ لیکن فوج میں تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے ان کی شمولیت کا مشورہ ہم صرف اس صورت میں دے سکتے

ہیں۔ جب حکومت ریاست اور فوج کے اسلامی ہونے کا دستوری اعلان کر کے گومگو کی موجودہ حالت کو ختم کر دے"۔

(حوالہ: مولانا مودودی کی نظر بندی صفحہ ۱۵)

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو نوائے وقت مورخہ ۲۹۔ اکتوبر ۴۸ء کے اداریہ میں جناب حمید نظامی مرحوم کو لکھنا پڑا۔

"افسوس صد افسوس کہ ہندوستان میں تو مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا احمد سعید مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ حکومت ہند سے دل و جان کے ساتھ تعاون کریں۔ مگر پاکستان میں اسلامی حکومت اور اسلامی نظام کے داعیوں کا طائفہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ موجودہ حکومت غیر اسلامی اور موجودہ نظام کافرانہ ہے۔ لہذا دین میں تحریف کئے بغیر ان سے تعاون ناممکن ہے۔ گویا اگر اس عدم تعاون کے طور پر خدانخواستہ پاکستان ختم ہو جائے تو پھر یہاں اسلامی نظام رائج ہو جائے گا۔ جماعت اسلامی ہندوستان میں بھی ہے اور اس کے امیر بھی مودودی صاحب ہی ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ ان کے سارے فتوے پاکستان کے لئے وقف ہیں"۔

اور نوائے وقت ہی کے اس سے پہلے کے اداریہ مورخہ ۳ ستمبر ۴۸ء کا یہ

یہ اقتباس بھی قابل ملاحظہ ہے :-

جب تک انگریزی حکومت تھی تو مودودی صاحب کے
ہمدرد معاون معتقد سرکاری افسر اور اہل کار انگریزی حکومت
کی وفادارانہ خدمت کرتے رہے، اور مودودی صاحب نے انہیں
نہ روکا۔ نمائش پراپیگنڈہ دوسری چیز ہے لیکن کوئی شخص
اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض
اعلیٰ افسران مودودی صاحب کے معاون و سرپرست رہے۔
اور مودودی صاحب کو ان سے مالی اعانت بھی ملتی رہی۔ حیرت
ہے کہ جب تک انگریزی راج تھا اس وقت تک مودودی صاحب
نے تو یہ فتویٰ دیا کہ لڑائی کے لئے فوج میں بھرتی حرام ہے
نہ یہ اعلان کیا کہ میرے معاونوں اور مریدوں کو انگریزی حکومت
سے بغاوت کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ لیکن پاکستان آکر انھوں نے
اپنا معیار کچھ اس ڈھنگ کا بنایا کہ پاکستان کے انتہائی مشکلات
کے دور میں بھی قدم قدم پر ان کا حکومت سے تصادم ناگزیر
ہوگیا۔ حلف و فاداری کے مسئلے پر حکومت پنجاب سے ان کی
چپقلش اسی بنا پر ہوئی اور فوجی بھرتی کا قضیہ بھی اسی وجہ سے
پیش آیا۔"

مودودی صاحب اور ان کی پارٹی سخت پریشانی میں مبتلا تھی کیونکہ پاکستان

میں بھی کوئی سمجھدار شخص ان کے موقف سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اتفاق سے
اس زمانہ میں دستوریہ میں قرارداد مقاصد پیش ہو کر منظور ہوگئی تو مودودی صاحب
اور ان کی پارٹی کو یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آگیا کہ اب چونکہ اس قرارداد کے ذریعہ
پاکستان ان کے خیال میں "مشرف باسلام" ہو گیا لہذا پارٹی کے رکن پاکستان کیلئے
حلف وفاداری شرعی جواز کے ساتھ اٹھا سکتے ہیں۔

اس قرارداد مقاصد کی منظوری کا سہرا ابھی آجکل جماعتی مقررین مودودی
صاحب کے سر باندھتے پھرتے ہیں ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرارداد حضرت علامہ شبیر احمد
عثمانی اور شہید ملت لیاقت علی خاں کی کوششوں سے منظور ہوئی مگر لطف
کی بات یہ ہے کہ جو قرارداد مقاصد جماعت اسلامی کی ایک مشکل مرحلہ میں دستگیری
کر گئی، اس کے بارے میں خود مودودی صاحب نے یہ لکھا تھا:

"آخر کار سارے ملک میں شور برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے
تقاضے شروع ہوئے۔ تار بھیجے گئے، خطوط کی بھرمار ہوئی
جلسوں میں مطالبے کئے گئے، تب کہیں قیام پاکستان کے
انیس مہینے بعد قرارداد مقاصد کی اذان دی گئی اور وہ
بھی صاف الفاظ میں نہیں بلکہ ایسے پیچیدہ الفاظ میں جن
سے بس منطقی استنباط ہی کے طور پر اسلامی حکومت کا مفہوم
اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

(حوالہ ترجمان القرآن اکتوبر سنہ ۵۲ء)

اس تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد
بھی پاکستان کو اسلامی ماننے کو تیار نہ تھے کیونکہ وہ ان کے معیار پر پورا نہیں اتر رہا تھا

ایک دعویٰ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے قیام پاکستان سے پہلے
اس مجوزہ ملک کے دستور کی تدوین میں گہری دلچسپی لی اور تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ مودودی
صاحب کو تو مسلم لیگ بلکہ شاید خود قائد اعظم نے علمائے کرام کی اس کمیٹی کا ممبر مقرر
کیا تھا جو پاکستان کے واسطے اسلامی آئین مرتب کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول اور دوم کو
"تحریک آزادی ہند اور مسلمان" کے نام سے مرتب کرنے
والے جناب پروفیسر خورشید احمد کو اصرار ہے کہ مولانا مودودی
صاحب نے اس کی رکنیت قبول کی اور کام میں پوری دلچسپی لی۔"

(حوالہ کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۲۸)

جناب پروفیسر خورشید احمد کی اس شہادت کے بعد اس کمیٹی کے مجوزہ
دستوری خاکہ کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ جو ہندوستان میں جنوری
۱۹۵۶ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے کتابی شکل میں شائع کیا تھا اور جس کا
نام "اسلام کا سیاسی نظام ہے۔ اقتباسات یہ ہیں۔

" مندرجہ بالا امور کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں
کہ ارکان مجلس کا انتخاب تو جائز ہے اور مجموعی طور پر تمام مسلمانوں
کو رائے دہی بھی حاصل ہے۔ لیکن یہ حق ہر کہ و مہ کو حاصل نہیں ہے

بلکہ اس کے لئے کچھ امتیازی صفات و شرائط کی احتیاج ہے جو
مسلمان ان شرائط کو پورا کرے گا۔ اسے حق رائے دہی حاصل
ہوگا اور جو اس امتیاز سے محروم ہوگا۔ وہ حق رائے دہی سے بھی
محروم ہوگا۔"

(حوالہ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶ اسلام کا سیاسی نظام)

"اور اس کے لئے اسلام شرط اوّلین ہے۔ اسلام سے مراد
وہی اسلام ہے جو صحابہ کرام کا تھا اور آج سواد اعظم کے نزدیک
حقیقی اسلام وہی ہے۔ غیر مسلموں یا گمراہ فرقوں کو حق
رائے دہی کے یہ معنی ہیں کہ مآل کار کے لحاظ سے انہیں اہل اسلام
پر ایک قسم کا تسلّط ہو جائے۔"

"عدل بھی ایک اہم اور ضروری شرط ہے۔ فاسق کی
خبر شرعاً غیر معتبر ہے۔ اس کا یہ دور رس سیاسی اقدام کیسے معتبر
ہو سکتا ہے۔"

"عورت کے حق میں رائے دہی کا ثبوت دلائل شرعیہ
میں سے کسی دلیل سے بھی نہیں ملتا۔ اس کے خلاف دلائل کا
ذکر کرنے کی بھی ہمیں ضرورت نہیں۔"

(حوالہ اسلام کا سیاسی نظام صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷)

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات ادنیٰ تامل سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس
مجوزہ دستوری خاکہ کی رو سے کہ "جس کے کام سے مودودی صاحب نے پوری دلچسپی

لی" تھی۔ بالغ رائے دہی کے حق کو غیر اسلامی قرار دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں اور گمراہ فرقوں کو ووٹ کا حق نہیں دیا گیا۔ ووٹ کا حق صرف صالح افراد کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ عورتوں کے حق رائے دہی کی نفی کی گئی ہے۔ مگر مودودی صاحب اور ان کی پارٹی اسی غیر اسلامی حق بالغ رائے دہی پہ مُصر ہیں وہ "غیر مسلموں اور گمراہ فرقوں" کے "قانون سازی" کے لئے "ووٹ کا حق" کو بھی بجا تسلیم کرتے ہیں البتہ عورتوں کے حق رائے دہی کی نفی پر قائم ہیں۔ ایک عام آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مودودی صاحب کے نزدیک قیام پاکستان سے پہلے جب بالغ رائے دہی کا حق غیر اسلامی تھا اور اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو ووٹ کا حق دینا غیر اسلامی تھا تو پھر پاکستان بن جانے کے بعد وہ کیسے اسلامی ہو گیا؟

مودودی صاحب آج کل مہاجروں کے بڑے ہمدرد بن گئے ہیں ہر تقریر میں قیام پاکستان کے لئے ان کی زبردست مالی قربانیوں کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہیں مگر قیام پاکستان کے بعد انہوں نے مہاجرین اور ان کی قربانیوں کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس کی تفصیل مولانا کوثر نیازی کی زبانی سنئے وہ "مودودیت عوامی عدالت میں" نامی کتاب کے صفحہ ۶۵ تا ۶۷ پر لکھتے ہیں۔

"سنہ ۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب میاں طفیل صاحب کی معیت میں جھنگ کے دورے پر آئے تو مشہور صحافی اور روزنامہ نوائے وقت کے وقائع نگار خصوصی عرفان چغتائی مرحوم اپنے بعض دوستوں کے ہمراہ ان سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔

عرفان مرحوم نے اپنی اس ملاقات کا حال روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۹ر اگست سنہ ۱۹۴۸ء میں قلم بند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے مودودی

صاحب کی توجہ جماعت کے اس پوسٹر کی طرف مبذول کرائی جس میں درج تھا کہ۔

"مسلمانو! تم نے باطل اصولوں کی خاطر گھر بار چھوڑا عزیز و اقارب کو ذبح کرایا" اور آپ سے پوچھا کہ مولانا کیا وہ اصول باطل تھے جن کے لئے مشرقی پنجاب اور ریاستوں کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے یہاں آنا پڑا۔ تو مودودی صاحب نے جواب دیا۔

"واقعی میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا ازروئے شریعت ناجائز ہے۔ کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے"۔

عرفان صاحب کا دوسرا سوال یہ تھا کہ

"کیا پھر آپ کے نزدیک مہاجرین کی جانی اور مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں ہے"

اس پر مودودی صاحب نے فرمایا۔

"نہیں وہ بھگوڑے اور بزدل ہیں انھوں نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا۔ قومیت کی جنگ لڑی تھی جب اس کی سزا بھگتنے کا وقت آیا تو مشکلات سے گھبرا کر فرار کی راہ اختیار کی"۔

مگر عرفان مرحوم بھی کہاں ماننے والے تھے انھوں نے بھری بزم میں راز کی بات کہدی کہا مولانا!

"گستاخی معاف کیا آپ بھی اس زمرہ میں داخل نہیں جو پٹھان کوٹ سے بھاگ کر پاکستان آئے"۔

ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے پاس خاموشی کے سوا اس سوال کا اور کیا
جواب ہو سکتا تھا۔

آج تک مودودی صاحب نے اس واقعہ کی نہ تردید کی ہے نہ توضیح کی ہے۔
اب اگر مہاجر یہ سمجھیں کہ مودودی صاحب نے حسب معمول سوچ سمجھ کر اچھی طرح غور و فکر کے
بعد ان کے بارے میں جو رائے ظاہر کی تھی اس پر ابھی تک قائم ہیں۔ تو وہ بالکل حق بجانب
ہوں گے۔

مودودی صاحب جمہوریت کے مالا بہت کچھ جپتے رہتے ہیں۔ اٹھتے
بیٹھتے وہ اور ان کے طرف دار جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں۔ بلکہ تقریروں میں بار بار
کہا کرتے ہیں کہ "پاکستان کی بقا کا انحصار اسلام اور جمہوریت پر ہے"۔ لیکن انھوں نے
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم کے صفحہ نمبر ۹۲ - ۹۳ پر لکھا تھا۔

"ایک حقیقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب میں دنیا پر
نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہار مسرت کی کوئی وجہ نظر نہیں
آتی کہ ٹرکی پر ترک، ایران پر ایرانی اور افغانستان پر افغان حکمران
ہیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں حکمیۃ الناس علی الناس للناس
(عوام کے لئے عوام کے ذریعہ عوام کی حکومت) کے نظریہ کا قائل
نہیں ہوں"۔

آگے چل کر پاکستان کے بارے میں صفحہ نمبر ۹۳ پر لکھا تھا۔

"اگر میں اس بات پر خوش ہوں کہ یہاں رام داس کی بجائے
عبد اللہ خدائی منصب پر بیٹھے گا تو یہ اسلام نہیں ہے

بلکہ نرا نیشنلزم ہے اور یہ "مسلم نیشنلزم" بھی خدا کی شریعت میں
اتنا ہی ملعون ہے جتنا "ہندوستانی نیشنلزم"۔

جمہوریت اسلام اور نیشنلزم کے بارے میں خیالات کے ساتھ انتخابات کے
بارے میں مودودی صاحب کا ایک مخصوص زاویہ نگاہ تھا۔ اول تو وہ سرے سے جمہوریت
کے قائل ہی نہیں پھر "اصطلاحی اور نسلی مسلمانوں" کے انتخاب میں ان کے "صالحین"
کے منتخب ہونے کے امکانات بھی نہیں چنانچہ انھوں نے "مسلمان اور موجودہ سیاسی
کشمکش صفحہ ۱۳۲ نمبر پر لکھا تھا۔

" جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو
بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے اگر دودھ زہریلا ہو گا تو اس سے جو
مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا
اس طرح سوسائیٹی اگر بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی
لوگ برسر اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشات نفس سے
سند قبولیت حاصل کر سکیں گے"۔

مودودی صاحب کی رائے تھی کہ۔

" ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف
ذہن نشین کر لیجئے پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے اس
طرح کے انتخابات کی اہمیت جو کچھ ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر
ہماری قوم اور ہمارے ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک با اصول جماعت
ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کس وقتی مصلحت

کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے
ہیں موجودہ کافرانہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے
کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس
پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط
حق دیتا ہے جس کے لئے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے بخلاف
اس کے ہمارے عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور
کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے
اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتابِ الٰہی کے تحت ہو نہ کہ اس
سے بے نیاز۔ یہ ایک اصولی معاملہ ہے جس کا تعلق عین ہمارے
ایمان اور ہمارے سیاسی عقیدے سے ہے۔ اگر ہندوستان کے
علماء اور عامۃ المسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہوں
اور وقتی مصلحتیں ان کے لئے مقتضیات ایمانی سے اہم ترین
بن گئی ہوں۔ تو اس کی جواب دہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے
کریں گے۔ لیکن ہم کو کسی فائدے کے لالچ اور کسی نقصان کے
اندیشے سے اس اصولی مسئلے میں موجودہ نظام کے ساتھ کسی قسم
کی مصالحت نہیں کر سکتے۔ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ توحید کا یہ
عقیدہ رکھتے ہوئے آخر ہم کس طرح انتخابات میں حصہ لے سکتے
ہیں کیا ہمارے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ
کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کرنے کو شرک قرار دیں۔ اور دوسری

طرف خود اپنے ووٹوں سے ان لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش
کریں جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لئے اسمبلیوں میں
جانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اپنے عقیدے میں ثابت ہوں تو ہمارے
لئے اس معاملے میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنا سارا
زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدا
کی ہے اور قانون سازی کتابِ الٰہی کی سند پر مبنی ہونی چاہئے
جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے
دہی کو حلال نہیں سمجھتے۔

(حوالہ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۴۲۰)

مذکورہ بالا حوالہ کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ مودودی صاحب نے یہ باتیں
قیام پاکستان سے پہلے کہی ہوں گی، مگر اسے کیا کیا جائے کہ قیام پاکستان کے بعد بھی
وہ اپنے سابقہ موقف پر اڑے رہے ملاحظہ فرمایئے۔

"اب ہم کو اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہا ہے کہ ہماری
اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے
بڑھ کر گندا کیا ہے ان میں سے ایک یہ امیدواری اور پارٹی
ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اس بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے
کہ اس ناپاک طریقہ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے یہ جماعت
نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑا کرے گی اور نہ اپنے ارکان کو
آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دے گی۔ نہ کسی ایسے

شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہو۔ اور اپنے لئے ووٹ حاصل
کرنے کی کوشش کرے خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی کے ٹکٹ
پر یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور
پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوارین کر
اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور نااہل
ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا آدمی جب
کبھی اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا
چاہیئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے۔ اور اس کو ووٹ دینا
اپنے حق میں کانٹے بونا ہے"

(حوالہ ترجمان القرآن اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ء ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ)

غالباً اس وقت تک وہ اپنے اس عقیدہ پر قائم تھے کہ:۔

"کثرت و قلت کا سوال صرف قوموں کے لئے پیدا ہوتا
ہے۔ جماعتوں کے لئے نہیں جو جماعتیں کسی طاقتور نظریہ اور
جاندار اجتماعی فلسفے کو لے کر اٹھتی ہیں۔ وہ ہمیشہ قلیل التعداد
ہی ہوتی ہیں اور قلت تعداد کے باوجود بڑی بڑی اکثریتوں پر
حکومت کرتی ہیں۔ روسی کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد اس وقت
صرف ۳۲ لاکھ ہے اور انقلاب کے وقت اس سے بھی کم تھی مگر
اس نے ۱۷ کروڑ انسانوں کو مسخر کر لیا۔ مسولینی کی فاشسٹ پارٹی
صرف ۴ لاکھ ارکان پر مشتمل ہے۔ اور روم پر مارچ کرتے وقت

۳ لاکھ تھے مگر یہ قلیل تعداد ساڑھے چار کروڑ اطالولوں پر چھا گئی
یہ ہی حال جرمنی کی نازی پارٹی کا ہے اگر قدیم زمانے کی مثالیں خود اسلامی
تاریخ سے دی جائیں تو یہ کہہ کر ٹالا جا سکتا ہے کہ وہ زمانہ گذر گیا
اور وہ حالات بدل گئے۔ لیکن یہ تازہ مثالیں آپ کے سامنے اس
زمانے کی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قلت آج بھی
حکمران ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس طرح مجاہدہ کرے جس طرح ایک اصول
اور مسلک رکھنے والی جماعت کیا کرتی ہے"۔

(حوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم۔ صفحہ ۵۴)

غالباً ابھی تک ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ۔

"کسی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس پر نہیں ہے کہ اس
کے حقیقی معتقدوں اور پیرؤں کی تعداد ملک میں ۶۰ یا ۷۰ فی صد
ہو جائے۔ تاریخ کے واقعات اور خود موجودہ دنیا کے تجربات ہمیں
بتاتے ہیں کہ ایک مضبوط منظم پارٹی جس کے ارکان اپنی تحریک پر پورا
ایمان رکھتے ہوں اور اس کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کیلئے
تیار ہوں اور پارٹی ڈسپلن کی کامل اطاعت کرتے ہوں محض اپنے
ایمان اور ڈسپلن کی طاقت سے برسر اقتدار آ سکتی ہے خواہ اس کے
ارکان کی تعداد ملک کی آبادی میں ایک فی ہزار بھی نہ ہو۔

(حوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ صفحہ نمبر ۵۸ — ۵۹)

ان اقتباسات کی روشنی میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے

کمیونسٹ پارٹی اور فاشسٹ پارٹیوں کی مثالیں دے کر یہ سمجھایا ہے کہ حصول اقتدار کا غیر جمہوری طریقہ۔ جمہوری طریقے کا مقابلے میں زیادہ مفید مطلب ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں جمہوریت کا علمبردار کیسے مان لیا جائے۔ اور انہیں فاشی نظام کا حامل اور علم بردار کیوں نہ کہا جائے۔

مودودی صاحب نے جب یہ دیکھا کہ آئین اور جمہوری ذرائع سے قائم ہونے والے پاکستان میں ان کی باتیں بے وقت کی راگنی ہیں۔ اور یہاں انہیں کام کرنا ہے تو اس کے لئے معروف پر امن ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے تو انہوں نے فوراً قلا بازی کھائی۔ نومبر سنہ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام "جماعت اسلامی اس کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل" ہے اس کے صفحہ ۷۳-۷۴ پر انہوں نے لکھا:

"اصولاً ایک تحریری دستور رکھنے والے ملک میں صرف اس کی دستور ساز اسمبلی یا اس کی نوعیت کے اختیارات رکھنے والی کوئی مجلس ہے وہ آئینی زبان ہو سکتی تھی جس سے شہادت اسلام ادا ہونے پر اسے اسلامی ریاست قرار دیا جا سکتا تھا۔ ہماری نوزائیدہ مملکت نے جب اپنی آئینی زبان سے یہ شہادت ادا کر دی تو جس روز شہادت ادا ہوئی ٹھیک اس روز جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا اور اس کے ۲۴ روز بعد پوری آئینی پوزیشن کا جائزہ لے کر یہ اعلان کیا کہ اب ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اس کی ملازمت جائز ہے اس کے قوانین اپنی عارضی نوعیت میں قابل تسلیم ہیں اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے اور اس کی اسمبلی و

پارلیمنٹ کے انتخابات میں ہر حیثیت سے حصہ لیا جا سکتا ہے۔ اور اس دستوری تغیر کے ساتھ جماعت نے اپنی پالیسی میں بھی یہ تغیر کیا کہ وہ آئندہ اس ملک کے انتخابات میں حصہ لے کر آئینی طریقوں سے اس کو مکمل دارالاسلام بنانے کی کوشش کرے گی۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک اصول ایسے امور کا نام ہے کہ جن سے وہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں کام نکال لیں۔ کیونکہ جب قرارداد مقاصد کو بنیاد بنا کر انہوں نے پاکستان کو اسلامی مملکت مانا۔ خود اسی کے بارے میں وہ یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اس قرارداد کے ذریعہ:

"جو اذان دی گئی ہے وہ بھی صاف الفاظ میں نہیں بلکہ ایسے پیچیدہ الفاظ میں جن سے بس منطقی استنباط کے طور پر ہی اسلامی حکومت کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

(حوالہ ترجمان القرآن۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

مودودی صاحب کی پارٹی کی طرف سے یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اسمبلیوں میں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں پر بھی امیدواروں کو نامزد کیا جائے گا لیکن یقین نہیں آتا کہ جو صاحب قرآن و حدیث کی روشنی میں خواتین کو امور مملکت میں شرکت سے محروم سمجھتے ہوں وہ خواتین امیدواروں کی نامزدگی یا ان سے ووٹوں کے حصول کے لئے اپیل کی کیسے جسارت کر سکتے ہیں۔ مودودی صاحب نے خواتین کے اس حق کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ ہم بلا تبصرہ نقل کئے دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"ہم سے پوچھا گیا ہے کہ آخر وہ کون سے اسلامی اصول یا

احکام ہیں جو عورتوں کی رکنیت مجلس قانون سازی میں مانع ہیں اور قرآن اور حدیث کے وہ کون سے ارشادات ہیں جو ان مجالس کو صرف مردوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل ضروری ہے کہ ہم ان مجالس کی صحیح نوعیت اچھی طرح واضح کردیں جن کی رکنیت کے لئے عورتوں کے استحقاق پر گفتگو کی جا رہی ہے۔ ان مجالس کا نام قانون ساز رکھنے سے یہ غلط فہمی واقع ہوتی ہے کہ ان کا کام صرف قانون بنانا ہے۔ اور پھر یہ غلط فہمی ذہن میں رکھ کر جب آدمی دیکھتا ہے کہ عہد صحابہ میں خواتین بھی قانونی مسائل پر بحث گفتگو اظہار رائے سب کچھ کر سکتی تھیں۔ اور بسا اوقات خود خلفاء ان سے رائے لے لیتے تھے اور اس بات کا لحاظ کرتے تھے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ آج اسلامی اصولوں کے نام لے کر اس قسم کی مجالس میں عورتوں کی شرکت کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مجالس اس نام سے موسوم کی جاتی ہیں ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں بلکہ عملاً وہ پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں، وہی وزارتیں بناتی اور توڑتی ہیں وہی نظم ونسق کی پالیسی طے کرتی ہیں وہی مالیات اور معاشیات کے مسائل طے کرتی ہیں اور انہی کے ہاتھوں میں صلح و جنگ کی زمام کار ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے ان مجالس کا مقام محض ایک فقیہ اور مفتی کا مقام نہیں ہے بلکہ پوری مملکت کے "قوام" کا مقام ہے۔ (حوالہ اسلامی ریاست صفحہ ۳۲ بحوالہ ترجمان القرآن فروری ۵۲)

آگے چلئے اسی کتاب میں فرماتے ہیں۔

وامورکم الیٰ نسائکم	اور جب تمہارے معاملات
فبطن الارض خیر من	تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں
ظہرھا۔	ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے
(ترمذی شریف)	اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔
عن ابی بکرۃ لمّا بلغ	ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ ایران
ان اھل فارس ملکوا علیھم	والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا
بنت کسریٰ۔ قال لن یفلح	بادشاہ بنالیا ہے تو کہا وہ قوم کبھی
قوم ولوا امرھم امراۃ	فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات
(بخاری، ترمذی، نسائی، احمد)	ایک عورت کے سپرد کئے ہوں۔

(حوالہ ترجمان القرآن اکتوبر ۵۰ء ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "الرجال قوامون علی النساء" کی ٹھیک ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاست اور ملک داری عورت کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا دعویٰ لیکر اٹھنے اور جنگ میں خود مقابلہ کرنے کی خبر پر حضرت ام سلمہ رضنے جو خط کہ حضرت کو لکھا تھا وہ یہ ہے۔

"آپ کے دامن کو قرآن نے سمیٹ دیا ہے۔ آپ اسے پھیلایئے نہیں۔ اور کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین میں

افراط برتنے سے منع فرمایا ہے" اور یہ کہ آپ رسول اللہ علیہ وسلم
کو کیا جواب دیتیں۔ اگر وہ آپ کو اس طرح کسی صحرا میں ایک گھاٹ
سے دوسرے گھاٹ کی طرف اونٹ دوڑاتے ہوئے دیکھ لیتے۔

اور حضرت ابو بکرہؓ نے فرمایا کہ میں جنگ جمل کے فتنے میں مبتلا
ہونے سے صرف اس لئے بچ گیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ
ارشاد یاد آگیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران والوں کا کسریٰ
کی بیٹی کو بادشاہ بنالنے کی خبر سن کر فرمایا تھا کہ

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات ایک
عورت کے سپرد کر دیئے ہوں"

حضرت علی سے بڑھ کر اس زمانے میں کون شریعت کا جاننے
والا تھا انھوں نے صاف الفاظ میں حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ آپ کا یہ
اقدام حدود شریعت سے متجاوز ہے، اور حضرت عائشہؓ اپنے کمال
درجہ کی ذہانت فقاہت کے باوجود اس کے جواب میں کوئی دلیل نہ پیش
کر سکیں۔ حضرت علی کے الفاظ یہ تھے۔

"بلاشبہ آپ اللہ اور رسول کی خاطر غضب ناک ہو کر نکلی ہیں
مگر آپ ایسے کام کے پیچھے پڑی ہیں جس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ڈالی
گئی عورتوں کو آخر جنگ اور اصلاح بین الناس سے کیا تعلق"۔

(حوالہ اسلامی ریاست صفحہ ۳۳۰)

اسی مسئلہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ :-

قرآن مجید کی ایک آیت دوسری سے ٹکراتی نہیں۔
ہے بلکہ اس کی تشریح کرتی ہے جس قرآن میں "امرھم شوریٰ بینھم
فرمایا ہے اس میں الرجال قوامون علی النساء بھی فرمایا گیا ہے۔ اس لئے مجلس
شوریٰ میں جو ساری مملکت کی قوام ہے عورتوں کی شمولیت کے دروازے قرآن
نے بند کر دیئے ہیں مزید برآں ہمارے سامنے عہد نبوی اور خلافت راشدہ کی
مثال موجود ہے جو قرآن کی تعبیر کے لئے مستند ترین ذریعہ ہے۔ ہمیں تاریخ
اور حدیث میں کوئی نظیر بھی ایسی نہیں ملتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین
نے کبھی عورتوں کو مجلس شوریٰ میں شامل کیا ہو۔

(حوالہ ترجمان القرآن جنوری ۵۳ء صفحہ ۳۶)

مزید توضیحات ملاحظہ فرمایئے :-

الرجال قوامون علی النساء (النساء ۳۴) — مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاری شریف) — وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دے۔

یہ دونوں نصوص اس باب میں قاطع ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے
مناسب (خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا
مختلف محکموں کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے
کس اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس
کے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اور اطاعت خدا اور
رسول کی پابندی قبول کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی

سرے سے مجاز ہی نہیں ہے۔

(حوالہ اسلامی ریاست صفحہ نمبر ۲۹ مطبوعہ بار اول)

مگر اس قدر داد تحقیق دینے کے بعد بھی ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی انہوں نے مزید لکھا

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عمومی مصالحہ کے پیش نظر نصوص کو بھی
نظر انداز کیا جا سکتا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں ایک ایسی غلط فہمی
جو بسا اوقات ایک انسان کو کھلی گمراہی کی طرف دھکیل دیتی ہے"

(حوالہ ترجمان القرآن اپریل ۵۸ء صفحہ ۴۴)

خدا کی شان ہے کہ عورتوں کی امور مملکت میں شرکت انتخاب اور مملکت کی سربراہی کے بارے میں اپنے اجتہاد کے باوجود مودودی صاحب کو طوعاً وکرہاً صدارتی انتخاب ۱۹۶۴ء میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کرنی پڑی اور انھوں نے اس مسئلہ میں جس قدر داد تحقیق دی تھی اسے بھلا دینا پڑا۔ ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے کہ انہوں نے کن مصالح کی بنا پر مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا تھا یہ ضرور کہیں گے کہ شرعی اجتہاد سے پہلے انہیں خوب غور کر لینا چاہیئے کہ جس بات کو وہ مستند اجتہاد سمجھ رہے ہیں کہیں وہ اجتہاد کی جگہ "ایجاد" تو نہیں؟

پھر مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں مودودی صاحب کیا رائے رکھتے تھے ذرا وہ بھی ملاحظہ فرمایئے اور سوچئے کہ آخر اس طرز تحریر کا مقصد کیا ہے۔

"اس وقت جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں میرے سامنے ۱۶ جنوری سنہ ۵۰ء کے ڈان کا پرچہ پڑا ہوا ہے۔ اس میں حیدر آباد (سندھ) کی ایک انجمن کے جلسہ میلاد کی روداد شائع ہوئی ہے

انجمن کا نام ماشاء اللہ مجلس اسوہ رسولؐ ہے۔ جلسہ بھی عید میلاد النبی کا ہے لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس مجلس اسوہ رسولؐ نے اسوۂ رسولؐ بیان کرنے کے لئے جس عالمہ کتاب وسنت اور پیکر رسولؐ کو دعوت دی تھی وہ مس فاطمہ جناح ہیں۔ چنانچہ اخبار نے غالباً موصوفہ کی پیروی اسوۂ رسولؐ ہی کو نمایاں کرنے کے لئے ان کی تقریر کے ساتھ ان کی تصویر بھی شائع کی ہے۔ تاکہ مسلمان خواتین اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اسوۂ رسولؐ در اصل یہ ہے جس پر ملاؤں نے پردہ ڈال دیا تھا۔ اور جو پاکستان بننے کے بعد بے نقاب ہو کر سامنے آیا ہے"

(حوالہ ترجمان القرآن جولائی اگست ستمبر ۵۰ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک اسوۂ رسولؐ سے استفادہ اور اس کے بیان کا اجارہ بس انہی کو حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔

ان امور کی روشنی میں خواتین اگر جماعت اسلامی کے امیدوار کو ووٹ دیں تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ آئندہ کے لئے اپنے حق شرکت امور مملکت کی تنسیخ کے لئے ووٹ دے رہی ہیں اور اپنے ووٹ کی موت کے پروانہ پر دستخط کر رہی ہیں؟

ابتداء میں عرض کیا گیا تھا کہ جماعت اسلامی حقیقت میں ایک فاشی پارٹی ہے اس کا نظام جمہوری قدروں پر استوار نہیں۔ اس پارٹی پر تنخواہ یافتہ کارکنوں کا ایک ایسا

طبقہ قابض ہے جس کی کفالت زکوٰۃ صدقات اور عطیات کی حاصل شدہ رقوم سے کی جاتی ہے مولانا کوثر نیازی جماعت اسلامی کے ایک مقتدر لیڈر رہ چکے ہیں ان کا بیان ہے کہ جماعت کے تقریباً ۱۵ سو کارکن ہیں جن میں ہر پندرھواں کارکن ہمہ وقتی تنخواہ یافتہ اور ہر دسواں کارکن جز وقتی تنخواہ یافتہ ہے۔ اور چونکہ اس کی معیشت کا انحصار پارٹی فنڈ پر ہے اس لئے وہ قیادت کی غلط پالیسیوں پر بھی اس کی طرفداری کرتا ہے۔

جماعت سے منسلک لوگوں کی تقسیم یہ ہے۔

ارکان۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باقاعدہ اپنے "ایمان" کی تجدید بذریعہ شہادت کلمہ طیبہ کرتے ہیں اور جماعتی ڈسپلن کے پابند ہیں۔

متفقین۔ یہ وہ حضرات ہیں جو جماعت کے عقائد افکار اعمال اور پالیسیوں سے اتفاق رکھتے ہیں اور رکنیت کی امیدواری میں کئی کئی سال گزارتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ متفقین پر جماعتی ڈسپلن کا اطلاق نہیں ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ پارٹی کی پرورش کے لئے فنڈز کی فراہمی کا انحصار اسی گروہ پر ہے۔ مگر جماعتی نظم و نسق میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ جماعت کے عہدہ دار صرف ارکان ہی منتخب کرتے ہیں گویا جماعت اسلامی میں ایک طرح سے وہ بی۔ ڈی نظام سنہ ۴۰ء سے قائم ہے جو ایوب خاں صاحب نے پاکستان میں سنہ ۵۹ء میں نافذ کیا تھا جماعتی بی۔ ڈی نظام کے تحت ہمدردوں اور متفقین کو "رکن" منتخب کرنے کا بھی حق نہیں! پھر بھی یہ پارٹی جمہوریت کی مدعی ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ جماعتی ارکان کے لئے کیسے ڈسپلن کو لازمی قرار دیا ہے۔

جماعت اسلامی کی روداد حصہ چہارم صفحہ ۱۵ پر قیم جماعت پارٹی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

"ایک اور شے جو بعض مقامات کے بارے میں کھٹکتی رہی ہے اور جو آگے چل کر بدنظمی کا باعث ہو سکتی ہے وہ یہ کہ بعض جگہ مقامی امیر کی اطاعت کا صحیح احساس پیدا نہیں ہوا ہے آپ کو معلوم ہے کہ جس نظریئے پر جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی ہے اس کی رو سے تمام معروف کاموں میں بالعموم اور شرعی اصولوں کے تحت جماعت سے تعلق رکھنے والے کاموں میں بالخصوص امیر جماعت اپنے یا مقامی امیر کے احکام و منشا سے بے اعتنائی برتنا ویسا ہی گناہ ہے جیسے کہ خدا اور رسول کے احکام و منشا سے بے اعتنائی برتنے کا گناہ ہو سکتا ہے وہ امیر شرعی اور آپ کے لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں انجمنوں کے صدر نہیں ہیں جنہیں محض انجمن کے انتظامی کاموں کے لئے رسماً چن لیا گیا ہو۔ ان کی اطاعت ارکان جماعت کے لئے لازم ہے۔ خاص حالات میں امیر کو بدل کر دوسرا امیر بنایا جا سکتا ہے لیکن جب تک وہ اپنے منصب پر قائم ہے اس کی معروف میں بے چون و چرا اور پوری خوش دلی اور اخلاص سے اطاعت کی جانی چاہیئے اور اس بارے میں کوئی کوتاہی پائی جائے تو امیر سے زیادہ ارکان کو باہم ایک دوسرے پر نگاہ رکھنی چاہیئے اگر خدانخواستہ مقامی امیر کے متعلق کوئی شکایت ہو تو اسے فتنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے بلا تردد امیر کے سامنے لانا چاہیئے اور پھر مقامی اجتماع میں اور اگر ضرورت ہو تو امیر جماعت کے سامنے۔"

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت میں شرکا، کو ایک فرقہ بنانے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہ "صالحین" اپنے آپ کو عام مسلمان بھائیوں سے بہت کچھ برتر اور بالا سمجھتے ہیں !

اسی روداد کے صفحہ نمبر ۱۶۲ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ زکوٰۃ کی مدد سے جماعت کے کام بھی کئے جا سکتے ہیں مثلاً۔

الف۔ دعوت دین کے سلسلے میں سفر کے مصارف یا۔

ب۔ غریب لوگوں میں جو ہمارا لٹریچر خریدنے استطاعت نہ رکھتے ہوں لٹریچر کی مفت اشاعت یا۔

ج۔ جو لوگ جماعت کے کام میں اپنا پورا وقت دیتے ہوں ان کے ذاتی مصارف کی کفالت۔

اس سلسلہ میں اگر کسی موقعہ پر مزید تفصیلات یا ہدایات کی ضرورت محسوس ہو تو وہ امیر جماعت سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اس اقتباس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ زکوٰۃ جس کے مصارف قرآن و حدیث کی رو سے متعین ہیں اسے استعمال کرنے کے لئے جماعتی لیڈروں نے اپنے "اجتہاد" سے کیا متعین کئے ہیں یہ کہاں تک شرعاً درست ہے اس کا فیصلہ علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں۔

جماعت نے ایک بیت المال قائم کیا ہے جماعتی دستور کا حصہ نہم اس ضمن

میں خصوصی توجہ چاہتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ :۔

دفعہ ۷۸ (۱) ہر مقامی جماعت کے لئے مقامی بیت المال ضلع میں ضلعی بیت المال، حلقہ میں حلقہ کا بیت المال اور مرکز جماعت میں مرکزی بیت المال قائم کیا جائے گا۔

۲۔ بیت المالوں کے نظم و نسق کے متعلق جملہ اختیارات امیر جماعت کو حاصل ہوں گے۔

دفعہ ۷۹ ۔ جماعت کے بیت المالوں کی آمدنی حسب ذیل ذرائع سے حاصل کی جائے گی۔

۱۔ جماعت کے ارکان اور اس کام سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے حضرات سے بمد :۔

ا۔ اعانت۔

ب۔ عشر و زکواۃ۔

ج۔ عام صدقات۔

د۔ ماتحت بیت المالوں سے

۳۔ جماعت کی مطبوعات سے منافع

۴۔ جماعت کے مکتبوں سے منافع

۵۔ لقطہ (جو جماعت کے دفاتر اور مقامات اجتماع میں ملے اور جو شرعی قواعد کی رو سے داخل بیت المال ہو سکتا ہو۔)

۶۔ جماعتی املاک کی آمدنی۔

۷۔ ایسی جائیدادوں کی آمدنی جو جماعت کے لئے وقف کی گئی ہوں۔

تشریح:۔ ارکان جماعت اپنی زکواۃ عشر اور صدقات واجبہ لازماً جماعت کے بیت المال میں داخل کریں گے۔

دفعہ ۸۰ (۱) ہر جماعت کا بیت المال اس کے امیر کے تحت ہوگا۔ اور امیر کو اپنے بیت المال سے ہر جماعتی کام پر خرچ کرنے کے اختیارات ہوں گے۔ لیکن ہر امیر اپنے امراء بالا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

۲۔ امیر جماعت بیت المال کی آمد و صرف کے معاملہ میں مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

۳۔ مرکزی بیت المال کے حساب کی پڑتال ہر سال کسی آڈیٹر سے کرائی جائے گی جس کا تقرر مجلس شوریٰ کرے گی۔ اور آڈیٹر کی رپورٹ مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کی جائے گی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے مسلمانوں سے مذہبی واجبات کے نام پر رقوم حاصل کرکے انہیں اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرنے کا کیا ڈھنگ نکالا گیا ہے۔

ہر شخص جماعت کے امیر کی شرعی لیڈری، جماعت کی مشینری کو چلانے کے لئے شرعی واجبات کے نام پر رقوم کی وصولی، جماعت کے سسٹم میں بی ڈی نظام کی موجودگی سے بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک فاشی جماعت ہے جس کا مقصد مذہب میں تحریف اور دین کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنا اور اقتدار حاصل کرنا ہے۔

اب یہ مسلمانوں کے سوچنے کی بات ہے کہ آیا ایسی پارٹی اور اس کے لیڈر کی مالی اعانت

کی جانی چاہیئے یا نہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ اسلام اور اس کے نظریوں میں تبدیلی کر رہا ہو اور جس نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی ہو اور جو آج بھی پاکستان پر فسطائیت مسلط کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو۔

آخر میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب نے۔

۱۔ نہ صرف پاکستان کے قیام کی مخالفت کی بلکہ اس کے قیام میں مزاحمت کی۔ قائداعظم کو "اداکار" تحریک پاکستان کو "ڈرامہ" قرار دیا۔ مادر ملت کی اہانت کی۔

۲۔ پاکستان بننے کے بعد اس کی حکومت کو کافرانہ قرار دیا۔

۳۔ "جمہوریت کی مخالفت کی اور آج تک ان کا جمہوریت پر حقیقتاً عقیدہ نہیں۔

۴۔ مہاجرین کو بزدل اور بھگوڑے قرار دیا۔ ان کی لڑائی کو جاہلیت کی لڑائی ٹھہرایا۔ انہیں مہاجر ماننے کو آمادہ نہیں۔

۵۔ خواتین کو امور مملکت میں حصہ دیئے جانے کے خلاف فتوے دیا۔ اور پھر صدارتی انتخاب میں مادر ملت کی حمایت کی۔

۶۔ فاشی بنیادوں پر جماعت کا بی ڈی نظام استوار کیا۔ تنخواہ دار قیادت قائم کی۔

۷۔ زکواۃ اور صدقات کی شرعی رقوم اپنی جماعت کے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دی۔

۸۔ جماعت کی تنظیم کے ذریعہ مسلمانوں میں نیا فرقہ کھڑا کر دیا جس کا کام

سب کی پگڑی اچھالنا اور اپنی "برانڈ" کے اسلام کی حقانیت پر
اصرار کرنا ہے۔

ان کی جماعت نظریۂ پاکستان کے تحفظ کی مدعی ہے۔ مگر اس کی تعریف وہ اپنے طور پر متعین کرتی ہے۔ قائدین تحریک پاکستان اور برصغیر کے مسلمانوں کے تصورات کی روشنی میں متعین نہیں کرتی۔

ایک عام انسان سوچتا ہوگا کہ آخر مودودی صاحب اور ان کی پارٹی آئے دن قلا بازیاں کیوں کھاتی رہتی ہے۔ اس کا جواب بھی مودودی صاحب نے فراہم کر دیا ہے اب یہ اور بات ہے کہ کوئی سچا مسلمان ان سے اتفاق نہ کرے۔ وہ فرماتے ہیں۔

" راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین
اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں بدترین برائی ہے
لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف
اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا
گیا ہے "

(حوالہ ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)